تئیسویں تیرتھنکر پارشو ناتھ کا جیون بھی بڑا سبق آموز اور نصیحت آمیز ہے۔

سمتا

جین دھرم کا عقیدہ یہ ہے کہ کوئی انسان محض اس وجہ سے کہ وہ خاص کسی گھرانے یا شہر یا ملک میں پیدا ہوا ہے۔ قابلِ قدر نہیں بن سکتا۔ قدر و منزلت دلانے والے وصف انسان کے کرم ہیں۔ نہ کہ اس کی پیدائش۔ بلا شبہ بزرگوں نے انسانی نسل کو ان کے کام کے لحاظ سے چار حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ یعنی برہمن، کھتری ویش اور شودر۔ لیکن اپنے اپنے کام کے لحاظ سے سب قابلِ قدر ہیں۔ ہر ایک اپنی اپنی جگہ قابلِ احترام ہے۔ برہمن اگر صرف اس وجہ سے کہ چونکہ وہ برہمن کے گھر میں پیدا ہوا ہے۔ دوسروں سے نفرت کرتا ہے تو اس کی سخت حماقت ہے۔ برہمن کو سر کا درجہ دیا جاتا ہے۔ کھتری کو بازوؤں کا۔ ویش کو پیٹ کا اور شودر کو پاؤں کا۔

ایک جسم میں سر یا دماغ کا ہونا بڑا ضروری ہے۔ لیکن محض دماغ کیا کر سکتا ہے اگر ہاتھ اس کے وچار کی تکمیل نہ کریں۔ اور دماغ کی پرورش کیسے ہو سکتی ہے اگر پیٹ کھانا ہضم کر کے اس کو خوراک نہ پہنچائے اور دماغ کی سوچی ہوئی باتیں کیسے پوری ہو سکتی ہیں۔ اگر پاؤں مقررہ مقام پر نہ لے جائیں۔ اسلئے سر کی خام خیالی ہے۔ اگر وہ دوسرے اعضا پر اپنی برتری اور فضیلت تصوّر کرتا ہے۔

دماغ تو اگر درست نہ رہے تو پاگل ہو کر بھی انسان سالہا سال تک زندہ رہ سکتا ہے لیکن اگر پیٹ کام کرنے سے رہ جائے تو موت کا پیغام جھٹ آ جائے اور اگر جائے پاخانہ بند ہو جائے تو نانی یاد آ جائے اور فی الفور خاتمہ ہو جائے بلا شبہ جائے پاخانہ ناپاک جگہ سمجھی جاتی ہے لیکن اس کا کام سر سے بھی زیادہ اہم ہے۔ اسلئے جیسے ہم جائے پاخانہ کو بُرا سمجھ کر اُسے دور نہیں پھینکا جاتے اسی طرح کوئی وجہ نہیں ہے کہ جن شودروں کو ہم ادنےٰ خیال کرتے ہیں۔ ان سے نفرت کرنے لگیں۔ انہیں اگر ہم ان کے کام کیوجہ سے چھونا نہیں چاہتے تو نہ چھوئیں

لیکن یہ حماقت ہے کہ ہم اپنے آپ کو اعلےٰ تصور کر کے ان سے نفرت اور گھرنا کریں۔

فیض کامل کو نہیں اسفل و اعلیٰ کی تمیز
چاندنی ہے ایک ہی شاہ و گدا کے صحن میں

جیسے جسم کے اندر ہر ایک عضو اپنے اپنے کام کی وجہ سے قابل عزت ہے۔ اسی طرح سے انسانی سوسائٹی میں ہر درجہ کا انسان اپنے اپنے کام کی اہمیت کے باعث قابل قدر ہے۔ آج اگر بھنگی اور چمار اپنا کام چھوڑ دیں تو دیکھیں سوسائیٹی کا کیا حال ہوتا ہے۔ قیامت کا سماں بندھ جائے تعفن اور سڑاند کی وجہ سے سانس لینا مشکل ہو جائے ہزارہا قسم کی بیماریاں پھیل جائیں اور زندگی گذارنی دوبھر ہو جائے اسلئے ان لوگوں کا کام چھوٹے درجہ کا نہیں بلکہ بڑا اہم اور ضروری ہے

پھر اگر محض ٹٹی صاف کرنے سے ہی ایک انسان قابل نفرت بن جاتا ہے تو ہم روز حاجت ضروری کے بعد اپنی جائے پاخانہ کو صاف کرتے ہیں تو کیوں نہ اپنے ہاتھوں سے بھی نفرت کریں اور انہیں کاٹ کر پھینک دیں۔ کتنی حیرانی کی بات ہے کہ ٹٹی کرنے والے گند ڈالنے والے تو قابل توقیر ہیں۔ لیکن اسے صاف کرنے والے قابل نفرت۔ یہ کہاں کا نیائے ہے قابل نفرت تو حقیقتاً وہ ہونے چاہئیں جو گند پھیلاتے ہیں۔ نہ کہ وہ جو صفائی کرتے ہیں۔

پھر شودر کو پاؤں سے تشبیہ دی جاتی ہے اور برہمنوں کو سر سے۔ اب ذرا غور فرمائیے کہ کبھی نے آج تک سر کی پوجا کی ہے، سر کو دبایا ہے جن کی زیادہ عزت ہوتی ہے۔ ذرا تفصیل سے سنئیے۔ یہ پاؤں ہی ہیں کہ:-

۱۔ جن پر یہی سر آ کر جھکتا ہے۔

۲۔ پاؤں ہی دبائے جاتے ہیں یعنی انہی کی سیوا کی جاتی ہے اگر کوئی سر کو دبانے لگے تو جھگڑا برپا ہو جائے۔ کیونکہ سر تو بیمار کا دبایا جاتا ہے۔

۳۔ چرنامرت پاؤں کی ہی لی جاتی ہے۔ ۴۔ پاؤں کو ہی دھویا جاتا ہے

۴۔ پاؤں کے نشانات کی پوجا کی جاتی ہے۔

۶۔ رام جب بن گئے تھے تو ان کی کھڑائیں تخت پر رکھی گئی تھیں۔ تاج نہیں۔
۷۔ جب کبھی خطرہ آ پڑے پاؤں ہی بھگا کر لے جاتے ہیں۔
۸۔ جب فوج کے پاؤں اکھڑ جائیں وہ کبھی جیت نہیں سکتی۔
۹۔ جب کوئی آدمی اپنی آپ مدد کر سکتا ہے تو یہی کہتے ہیں کہ یہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہو گیا ہے۔
۱۰۔ بچے کے پہلے پاؤں مضبوط بنائے جاتے ہیں، اور اسے انگلی پکڑ کر چلایا جاتا ہے۔ اور جب اس کے پاؤں مضبوط ہو جاتے ہیں تو تسلی ہو جاتی ہے۔

اس لئے شودر لوگ قابل نفرت نہیں بلکہ قابل قدر ہیں۔ جیسے کہ پاؤں لہٰذا یہ سخت غلطی ہے کہ اگر کوئی انسان محض ایک خاص ونش[1] میں پیدا ہو کر دوسروں سے نفرت کا اظہار کرے۔ محض کسی خاص پیشہ اختیار کرنے یا کسی خاص ذریعہ سے روپیہ[2] کمانے سے انسان اعلےٰ یا ادنےٰ نہیں بنتا۔ اعلےٰ یا ادنےٰ بنتا ہے اس بات سے کہ وہ کس طرح سے اس کام کو کرتا ہے۔ ایمانداری اور سچائی سے کرتا ہے یا کہ بددیانتی اور چھل فریب سے۔ حقیقتاً انسان کی دو ہی اقسام ہیں یعنی نیک اور بد۔

کام اور پیشے کی وجہ سے جو تقسیم ہے وہ محض دنیاوی انتظام چلانے کے لئے ہے یعنی کوئی لوہار ہے کوئی سنار۔ کوئی ترکھان ہے کوئی جولاہا۔ کوئی دکاندار کوئی ملازم۔ کوئی افسر یا حاکم کوئی محکوم۔ کوئی بھنگی کوئی چمار۔ ہو سکتا ہے کہ ایک راجہ یا افسر ہو کر بھی بد اور رذیل انسان ہو۔ اور ہو سکتا ہے کہ ایک بھنگی یا چمار ہو کر بھی نیک اور شریف انسان ہو۔ عزت اور توقیر کسی کا پیدائشی حق نہیں۔ قابل عزت وہی ہے جو راستی پسند اور دیانتدار شریف طبع انسان ہے۔ نفرت کے قابل بدی اور پاپ ہیں نہ کہ ایک خاص قسم کا کام کرنے والے انسان۔

لہٰذا کسی انسان کا حق نہیں کہ وہ ایک دوسرے انسان کو محض اس کے پیشے کی وجہ سے رذیل یا بُرا کہہ کر اس کی دلآزاری کرے بلکہ ہر ایک انسان کا فرض ہے کہ وہ ہر بنی نوع انسان سے محبت اور ہمدردی کرے۔ لیکن اگر اس کا دل تنا دکھا

[1] خاندان [2] روزگار۔

اور پاکیزہ نہیں کہ وہ ہر ایک سے پریم کر سکے تو اتنا تو لازمی ہے کہ کسی سے نفرت نہ کرے۔ کسی کو بُری نگاہ سے نہ دیکھے۔

پھر ایک اور بات بھی سوچنے کے قابل ہے۔ روشنی اس لئے اچھی کہی جاتی ہے کہ اس کے مقابلہ پر اندھیرا موجود ہے۔ اگر اندھیرا نہ ہو تو روشنی کوئی قابلِ قدر شے نہیں رہتی۔ اسی طرح سے جو انسان اپنے آپ کو اچھا کہتے ہیں یا اعلےٰ تصوّر کرتے ہیں ان کی یہ برتری اسی لئے ہے کہ ان کے مقابلہ پر وہ لوگ موجود ہیں جنکو وہ چھوٹا اور ادنےٰ سمجھتے ہیں۔ اگر وہ نہ ہوں تو ان کی بڑائی کہاں رہ جاتی ہے اسلئے ان لوگوں کی بڑائی قائم رکھنے کے لئے بھی چھوٹے لوگوں کا موجود رہنا لازمی ہے مگر حقیقت تو یہ ہے کہ بطور انسان کے سب یکساں ہیں۔ اعلےٰ اور ادنےٰ محض اپنی نیکی اور پاکیزگی اور خدمت گذاری کے لحاظ سے ہوتے ہیں اور یہی معیار بڑائی یا چھوٹائی کا ہونا چاہیئے۔ بڑا وہی ہے جو منکسرالمزاج رہ کر دوسروں کی خدمت میں اپنا جیون ارپن کرتا ہے۔ بڑا وہی ہے جس کا آچار شُدھ اور پوتر ہے ؎

ہے رہنمائے خلق عمل جس کے نیک ہوں
کافر ہے وہ عقیدہ میں یا دیندار ہو

اگر کوئی راجہ ہے اور وہ اپنے فرائض سے قاصر ہے تو وہ اعلےٰ نہیں کہلا سکتا۔ لیکن ایک موچی ہے اور فرائض انسانی کو احسن طور پر نبھاتا ہے۔ وہ ایک اونچے درجے کا انسان ہے۔ یہ انسان کے کرم ہی ہیں کہ جو اسے اعلیٰ یا ادنےٰ بناتے ہیں۔ بڑائی کی۔ فضیلت کی۔ برتری کی اصل کسوٹی یا معیار اس کا اخلاق اور اس کے کرم ہیں۔ جس انسان کے یہ دو نو پست ہیں وہ خود بھی پست ہے۔ خواہ وہ کسی خاندان اور دنیا کے کسی کونے میں پیدا ہوا ہے ؎

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

عام طور پر بعض ہندو بھی اس چھوت چھات کے مسئلے کو مانتے ہیں۔ لیکن

منو بھگوان نے ادھیائے ۱۰ شلوک ۶۵ میں فرمایا ہے کہ برہمن سے شودر اور شودر سے برہمن بن جاتے ہیں۔ اسی طرح سے ویش اور کھتری بھی دوسرے ورنوں میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ انسان کے کرم ہی ہیں کہ جو اس کو برہمن یا شودر وغیرہ بناتے ہیں۔

جو لوگ شودروں کو پاؤں سے مشابہت دیکر ان سے گھرنا کرتے ہیں انہیں وہ بارہ سنگے کی کہانی دھیان میں رکھنی چاہیئے۔ ایک بارہ سنگا پانی میں اپنی شکل دیکھ کر سینگوں پر نگاہ ڈال کر بڑا فخر کر رہا تھا کہ میرے سینگ کتنے خوبصورت اور شاندار ہیں۔ پاؤں کی طرف دیکھ کر اسے افسوس ہو رہا تھا کہ یہ بڑے کمزور پتیلے اور بھدے ہیں۔ اتنے میں ایک طرف سے شکاری کتے آتے ہوئے دکھائی دئے۔ انہیں دیکھ کر وہ دوڑا۔ اور کافی دور نکل گیا۔ لیکن آگے جا کر جھاڑیاں آگئیں اور ان میں اس کے سینگ پھنس گئے۔ اِدھر سے کتے آ نکلے اور انہوں نے اسے دبوچ لیا۔ تب وہ زار و قطار رو کر اپنے سینگوں کی ہجو اور اپنے پاؤں کی تعریف کرنے لگا۔ اس طرح جو لوگ ایک خاص جماعت کے انسانوں کو پاؤں کی جگہ سمجھ کر اُن سے نفرت کرتے ہیں وہ غلطی کرتے ہیں۔

جو انسان انسانوں سے ہمدردی نہیں کرتا۔ اور اپنی خود غرضی، خودی اور بڑائی میں مست رہتا ہے وہ یہ بات یاد رکھے ؎

نہیں معلوم انہیں جو دل جوئی نہیں کرتے
کہ ثواب اس سے سو حج کے برابر ہوتا

جو لوگ عبادت الٰہی میں مشغول رہ کر اپنے بھائیوں کی جانب سے غافل رہتے ہیں وہ خیال فرمائیں کہ یہ عبادت روکھی پھیکی ہے۔ بنی نوع انسان سے ہمدردی کر کے ان کی خدمت کے لئے طیار رہنا حقیقی عبادت ہے ؎

یہی ہے عبادت یہی دین و ایماں
کہ کام آئے دنیا میں انساں کے انساں

سکھ شاستر بھی کرم کو ہی پردھان مانتا ہے ۔ گورو نانک صاحب کا فرمان ہے

جاتی جنم نہ پوچھئے سچ گھر لیہو بتائے
سا جاتی سا پاتی ہے جیسے کرم کمائے

یعنی کسی آدمی کی ذات یا جنم دریافت نہیں کرنا چاہیئے بلکہ اس کا ستیہ یا صداقت سے پریم دیکھنا چاہیئے حقیقی ذات پات وہی ہے کہ جیسے انسان کے عمل ہیں گورو گوبند سنگھ جی نے چھوٹی کہلانے والی ذاتوں میں سے معمولی انسانوں کو لیکر اُن میں بہادری اور دلیری کی رُوح پھونک کر اُن کو سچا کشتری بنا دیا اور اُنہیں خالصہ کے نام سے پکارا۔

اس لئے یہ ایک سخت غلطی ہے کہ انسان اپنے آپکو محض اس لئے بڑا یا اونچا سمجھے کہ وہ ایک خاص خاندان یا گھرانے میں پیدا ہُوا ہے ۔ اس قسم کی بڑائی حقیقی بڑائی نہیں ہوتی ۔ یہ تو جھول چڑھا ہُوا ہوتا ہے ۔ جب وہ ذرا بھی کسی طرح سے اُتر جاتا ہے تو پیچھے سے اصلیت عیاں ہو جاتی ہے ۔ لیکن جو چیزیں ٹھوس طور پر خالص ہوتی ہیں ۔ وہ ہمیشہ ہی اعلےٰ قیمت پاتی ہیں اور عزت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں ۔ اسی طرح جن لوگوں کے کرم اُتم ہیں جن لوگوں کا مزاج شریفانہ ہے جن کے دل میں رحم ہمدردی اور خدمات کے جذبات موجود ہیں وہ خالص سونے کی مانند ہوتے ہیں ۔ اُنکی ہمیشہ ہی قدر و منزلت ہوتی ہے وہ ہی حقیقی طور سے قابل احترام ہوتے ہیں جین دھرم اسی اصول کو مانتا ہے کہ بڑائی اور عزت کرموں کے مطابق ہونی چاہیئے نہ کہ پیدائش کے لحاظ سے ۔ لہٰذا ہم سب کو واجب ہے کہ ان جھوٹی بڑائیوں کا خیال چھوڑ کر حقیقی بڑائی حاصل کرنے کی طرف راغب ہوں یعنی اپنے کرموں کا سدھار کریں ۔ نیک اعمالی اور نکوکاری اختیار کریں ۔ سیوا اور خدمت کو اپنا دھرم بنائیں ۔ رحم اور ہمدردی کو اپنا شیوہ بنائیں ۔ شرافت اور انسانیت کا رویہ رکھیں ۔ تبھی ہم انسان کہلانے کا مستحق بن سکتے ہیں اور تبھی ہم بڑائی پانے کے حقدار ہو سکتے ہیں اور کسی طرح سے نہیں ۔

بھگوان مہاویر سوامی کے پہلے جنم

جیسا کہ پہلے عرض ہو چکا ہے بھگوان مہاویر سوامی جن کا یہ جیون چرتر لکھا گیا ہے۔ چوبیسویں تیرتھنکر تھے۔ جین شاستروں میں ان کے سالقہ جنموں کا بھی ذکر آیا ہے۔ لعض دفعہ سوال کیا جاتا ہے کہ سالقہ جنموں کا حال کیسے معلوم ہُوا۔ اسکے متعلق چند الفاظ عرض کر دینا بے محل نہ ہو گا۔ جو مہاپُرش اپنی زندگی کو اتنا اونچا لے جاتے ہیں کہ اس میں کسی قسم کا کوئی دھبہ نہیں رہتا، اُن کی آتما شیشہ سے بھی زیادہ صاف ہو جاتی ہے۔ اس آتما میں نہ صرف پچھلے جنموں کے بلکہ آئیندہ کے حالات اس روشن ضمیری کے باعث اسی طرح دکھائی دیتے ہیں۔ جیسے ہم کو اپنی آنکھوں سے عام چیزیں صاف صاف نظر آتی ہیں۔

دُور کیوں جائیں دُنیا کے سادھارن لوگوں کو بھی لعض دفعہ اپنے سالقہ جنم کا حال معلوم ہو جاتا ہے کئی ایسے واقعات اخبارات میں چھپ چکے ہیں جن میں چھوٹی عمر کے بچوں نے اپنی سالقہ جائے پیدائش وہاں کے مکمل حالات اپنے پچھلے جنم کے رشتہ داران کی پوری سرگزشت بیان کی۔ بہت عرصہ نہیں گذرا۔ دہلی کی ایک ۹ سالہ لڑکی شانتی دیوی نے اپنی سالقہ جائے پیدائش متھرا بتائی تھی۔ وہاں لیجانے پر اس نے اپنا گھر خودبخود تلاش کیا۔ اپنے سسُر اور پتی کو شناخت کیا۔ اور دیگر ایسے واقعات بتلائے جو صرف گھر والوں کو ہی معلوم تھے۔ اسی طرح کے اور کئی واقعات ہیں۔ اندریں حالات جب ایک معمولی انسان بھی لعض اوقات اپنی سالقہ زندگی کی بابت بتلا سکتا ہے تو جو لوگ صاحب کشف ہیں جن کا من منور ہو چکا ہے۔ جن کا آتما اُجّل بن چکا ہے ان کے لئے اپنے پچھلے جنموں کا حال بتانا کوئی اچنبھے کی بات نہیں بلکہ اچنبھا اس بات کا ہو کہ اگر ایسی پدوی پر پہنچ کر بھی انہیں یہ بات معلوم نہ ہو۔

سابقہ جنموں کے مفصل ذکر کرنے کی یہاں خاص ضرورت نہیں۔ لیکن محض اس بات کو درشانے کے لئے کہ تیرتھنکر کا درجہ پانے کے لئے کس کس منزل سے گذرنا پڑتا ہے۔ مہاویر سوامی کے بعض جنموں کا مختصر ذکر بیان کیا جاتا ہے۔

۱۔ نیا سارا نام سے موضع پرتھوی پرتی ستھان کے محافظ تھے۔ مہاتما سمدرسین کی سیوا کی۔ انہوں نے دھرم اُپدیش دیا۔ اس کے بعد دُنیا چھوڑ کر دھارمک زندگی بسر کی۔

۲۔ سودھرم لوک میں پوتر آتما کے طور دوسرا جیون بسر کیا۔

۳۔ ونیتا کے راجہ چکرورتی کے گھر جنم ہُوا۔ اور اس کا نام مریچی رکھا گیا۔ اس جنم میں آپ نے بھگوان رشب دیو پہلے تیرتھنکر کا اُپدیش سُنا اور ان کی مصاحبت میں اپنا زیادہ وقت بسر کیا۔ بھگوان رشب دیو نے اسی وقت پیشینگوئی کی تھی کہ مریچی چوبیسواں تیرتھنکر ویر کے نام سے ہو گا۔ راجہ چکرورتی بھگوان رشب دیو کا پتر تھا۔ اور اس طرح سے مریچی ان کا پوتا تھا۔ جو کہ چوبیسویں تیرتھنکر مہاویر بھگوان کے نام سے پرگٹ ہوئے۔

۴۔ برہم دیو لوک میں جنم پایا۔

۵۔ کولاکا نامی گاؤں میں ایک برہمن کے گھر جنم ہُوا۔ کوسیک نام رکھا گیا۔ دھارمک جیون بسر کیا۔

۶۔ ایشان لوک میں جنم پایا۔

۷۔ ہستنا پور میں پشپ متر برہمن کے نام سے جنم ہُوا۔ گھر چھوڑ کر تروِنڈی سادہو بنے۔

۸۔ سودہرم لوک میں جنم پایا۔

۹۔ برہمن کے گھر جنم پایا۔ نام اگنیدوتا رکھا گیا۔

۱۰۔ ایشان لوک میں جنم پایا۔

۱۱۔ مندرا نامی گاؤں میں اگنی بھوتی نام سے برہمن کے گھر جنم لیا۔

۱۲۔ سنت کمار لوک میں جنم پایا۔
۱۳۔ شیتامبیکا نگری میں بھاردواج نام سے برہمن کے گھر جنم ہُوا۔
۱۴۔ مہندر لوک میں جنم ہُوا۔
نوٹ :۔ اس کے بعد کئی اور جنم ہوئے۔ لیکن وہ کوئی خاص مشہور نہیں ہیں۔
۱۵۔ راج گرہ میں ستھاور نام سے برہمن کے گھر جنم پایا۔
۱۶۔ برہم لوک میں جنم پایا۔
۱۷۔ وشوبھوتی نام سے راج گھرانے میں جنم لیا۔ لیکن اپنے چچا زاد بھائی سے عناد ہو گیا۔ وشوبھوتی سادھو ہو گیا۔ پھر گھر والے سب اسے لینے گئے لیکن وہ نہ آیا۔ اور سوچا کہ جب سادھو کی اتنی قدر ہے۔ تو میں سچا سادھو کیوں نہ بن جاؤں۔ لیکن اتفاق سے انہیں راہ چلتے ایک گائے نے گرا دیا۔ اس کے چچا زاد بھائی نے طعنہ مارا جس سے پھر اس کے دل میں بغض و کینہ کی آگ جلنے لگی۔ اور اس نے اپنے دل میں تہیہ کر لیا۔ کہ اپنے تپ کے بل سے اپنے دشمن کو تباہ کر دُونگا۔ یہ بات جین دھرم کے اصولوں کے خلاف ہے کہ وہ تپ جس کے لئے خود اتنا دکھ اٹھایا جائے۔ دوسرے کو دُکھ دینے کے لئے استعمال کیا جائے۔ تپ وہی پھل وائک اور اعلیٰ ہوتا ہے جس سے کسی اور کو آزار نہ پہنچے۔ نہ صرف اس سے اس دنیا یا پرلوک کے سکھ کی امید نہ رکھی جائے بلکہ وہ کسی بھی قسم کے پھل کی آشا سے نہ کیا جائے۔ جو تپسیا پھل کی بھاونا سے کی جاتی ہے۔ وہ تپسیا عبادت نہیں کہلا سکتی۔ وہ تو ایک طرح کا سودا ہے۔ حقیقی تپسیا وہ ہوتی ہے جس میں نتیجہ یا پھل کا بالکل خیال ہی نہ کیا جائے۔ لیکن اس جنم میں مہاویر بننے والی آتما یا جیو نے سادھو بنکر بُغض و کینہ کے بھاو دل میں دھارن کئے۔
۱۸۔ مہا شُکر لوک میں جنم پایا۔
۱۹۔ پوتن پور میں راجہ پرجا پتی شترو کے گھر جنم لیا جس کا نام ترپ پرشٹ

واسو دیو رکھا گیا۔ پہلی عمر خوب عیش ونشاط میں گذاری۔ جوانی میں بغیر کسی ہتھیار یا ساتھی کے ایک شیر کو جبڑوں سے پکڑ کر پھاڑ ڈالا۔ اسی جنم میں ایک بار ایک ملازم کو واسو دیو نے کانوں میں گرم سکّہ ڈلوا کر تڑپا تڑپا کر مروا دیا کیونکہ اس نے ایک حکم کی نافرمانی کی تھی۔ اور اسی ظلم کا پھل ان کو مہاویر کے جنم میں سہنا پڑا۔ جبکہ ان کے کانوں میں کسی نے کیل گاڑ دئے تھے جس وقت وہ دھیان اوستھا میں بیٹھے تھے۔

اسی جنم میں انہوں نے گیارہویں تیرتھنکر کا اپدیش سُنا۔ لیکن دُنیا کے مزے اور عیش وعشرت میں اس قدر پھنس چکے تھے۔ کہ ان کی وہی رقص و سرود کی محفل قائم رہی۔ اور ساری عمر نفس پرستی میں گذار دی جس کا نتیجہ اگلے جنم میں بھوگنا پڑا۔

۲۰۔ ساتویں نرک میں یہ جنم گذارا۔

۲۱۔ شیر کا جنم پایا۔ یہ جنم بھی سابقہ کرموں کا نتیجہ تھا۔ اس میں بھی کئی ظلم کمائے اور کئی مصائب اٹھائے جس کا پھر نتیجہ بھگتنا پڑا۔

۲۲۔ پہلے نرک میں یہ جنم گذارنا پڑا۔

۲۳۔ اپر ودیہہ دیش میں مُوک کے راجہ دھننجے کے گھر دھرنی رانی سے جنم لیا نام پوٹل رکھا گیا۔ اوائل عمر میں ہی پتا نے پوٹل کو لائق اور اہل سمجھ کر سلطنت کا کام اس کے سپرد کیا۔ اور خود گیان دھیان میں مصروف ہوا۔ جب پورا بااختیار ہوا۔ تو پوٹل نے اپنا دائرہ حکومت خوب بڑھایا۔ اور چکرورتی راجہ بنا۔ سلطنت کو اتنا فروغ دیا۔ کہ چودہ رتن اور تو ندھان بھی حاصل کئے۔ ان کی تفصیل جین شاستروں میں دی ہوئی ہے۔

پھر اتفاق سے اس شہر میں آچاریہ دھرم گھوش آئے ان کا اُپدیش سُنکر ایسے متاثر ہوئے کہ راج پاٹ اپنے بیٹے کے سپرد کرکے باوجود سب کے منع کرنے کے اسی آچاریہ جی کی سرن لی اور بہت اونچے درجہ کے سادھو ہوئے۔

۲۴۔ مہاشکر نامی لوک میں جنم پایا۔
۲۵۔ بھارت ورش میں چھتر نامی نگر میں راجہ جیت شترو کے ہاں رانی بھدرا کے گربھ سے جنم لیا۔ نام نندن رکھا گیا۔ باپ نے جلدی ہی سلطنت کا کام سونپ دیا اور خود تیاگی بن گیا۔ نندن جی نے بطور راجہ کے نہایت عدل وامن سے حکومت کی۔ لیکن دنیا کے تعلقات سے اس قدر نفرت ہوئی کہ تخت وتاج کو لات مار کر پوٹل اچاریہ سے دیکشا لیکر سادھو بن گئے۔ بطور راجہ کے اوروں پر حکومت تھی۔ لیکن اب انہوں نے اپنی ذات پر وہ قابو پایا۔ اور ایسی حکومت کی، کہ وہ من جو راجہ ہونے کی حالت میں اِدھر اُدھر دوڑتا پھرتا تھا بالکل ساکن اور قائم ہو گیا۔ اس کے بعد نندن جی نے بہت سے وہ سادھن کئے کہ جو تیرتھنکر بننے کے لئے کرنے پڑتے ہیں۔ یہ تعداد میں بیس ہیں اور ان کی کچھ تفصیل تیرتھنکروں کے باب میں دی گئی ہے۔ آخری عمر میں نندن منی نے بڑی کڑی تپسیا کی۔ ساٹھ دن کا برت کیا۔ اور اگلے جنم میں اس کا نیک ثمر حاصل کیا۔
۲۶۔ دیولوک میں جنم پایا۔ جہاں دیوتاؤں نے انہیں مبدھائی دی اور ان کی توصیف کی۔

یہ ۲۶ جنم لینے کے بعد ستائیسواں جنم بھگوان مہاویر کے روپ میں ہُوا۔ جس روپ میں آکر تیتے ہوئے اور جلتے ہوئے جیووں پر شانتی کا امرت برسایا۔
سوال ہو سکتا ہے کہ ان سابقہ جنموں کا حال بتلانے کی کیا ضرورت تھی۔ ہمیں تو غرض اس جنم سے ہے جس جنم میں انہوں نے مہاویر کے روپ میں نیکی کی راہ دکھائی اور بدی کی جڑ اکھاڑی۔ لیکن یہ پچھلے جنموں کا حال کتاب کے صفحے بڑھانے کے لئے فضول طور پر نہیں دیا گیا۔ اگر ہم ان سابقہ جنموں پر اچھی طرح سے غور کریں۔ تو ہمیں کئی مفید سبق ملیں گے۔ مثلاً
۱۔ ہمیں پتہ لگتا ہے کہ مغرور انسان کی کیا حالت ہوتی ہے اور تکبر کرنے والے

انسان پر کیا کیا آفتیں آتی ہیں اس لئے غرور سے ہمیشہ بچنا چاہیئے۔

۲۔ مریچی کے شریر میں اس آتما نے اپنی خود غرضی کے لئے ایک جھوٹ بولا تھا۔ جس کے عوض آئندہ جنموں میں کئی مصیبتیں برداشت کرنی پڑیں۔

۳۔ جو کرم کیا جاتا ہے اس کا پھل ضرور بھگتنا پڑتا ہے۔ کسی نہ کسی جنم میں اچھے یا بُرے کرم اپنا اثر دکھاتے ہیں۔

۴۔ کیول گیان اس وقت تک حاصل نہیں ہوتا جب تک کہ پچھلے سارے کرموں کا بھگتان نہ کر لیا جائے۔

۵۔ خود ضبطی اور نفس کشی ایک نہ ایک دن اپنا پھل دکھاتی ہے۔

۶۔ غصہ ایک نہایت خطرناک جذبہ ہے۔ یہ اپنے ساتھ بڑی بلائیں لاتا ہے اور بنے بنائے کام کو بگاڑ دیتا ہے۔

۷۔ انسان کے اپنے کرم اور بھاوی اس کے جنم کا کارن ہوتے ہیں۔ آدمی کے لئے ریاضت، خیرات اور دیگر نیک کام کرکے دنیاوی جاہ وحشمت کی خواہش کرنا ایسا ہی ہے جیسے لال اور موتی دیکر انکے عوض کانچ کے موتی لینا۔

۸۔ جب اتنے بڑے تپسوی اور مہاتما پرش کرم بھوگ سے نہ بچ سکے۔ تو عام آدمی کا تو کہنا ہی کیا ہے۔ اس لئے ہر ایک انسان کو ہر ایک کرم بڑے سوچ وچار کے بعد کرنا چاہیئے۔ کرم ساہوکار ہے کہ اپنا کھاتہ بھگتائے بغیر جان نہیں چھوڑتا۔ یہ جو ایک غلط فہمی بیٹھ گئی ہے کہ پرارتھنا کرنے سے یا گڑگڑانے سے معافی مل جاتی ہے۔ یہ بڑی خطرناک بھول ہے۔ یہ پاپ کرم کرنے کے لئے رغبت دلاتی ہے۔ انسان سمجھتا ہے کہ جب معافی مل جاتی ہے اور پھل بھوگنے سے بچاؤ ہو سکتا ہے تو پاپ کرم کرنے اور عیش اڑانے میں کیا حرج ہے بعد میں معافی مانگ لی جائے گی۔ مہاویر جی کے پچھلے جنموں سے اچھی طرح واضح ہو گیا ہوگا، کہ چھوٹے سے چھوٹا اچھا یا بُرا کرم بھی اچھا یا بُرا پھل لاتا ہے۔ نیک اعمال کا نیک ثمر ملتا ہے اور بد کا بد۔ یہ خیال دل سے نکال دینا چاہیئے۔ کہ کوئی کیا ہوا کرم

بغیر پھل دئے نکل جائے گا۔ اس کا بھگتان تو کرنا ہی پڑے گا۔

۹۔ ایک اور سبق جو بھگوان مہاویر کی سابقہ زندگیوں سے ملتا ہے۔ وہ یہ ہے بُرا سے بُری یونی میں جا کر، جانور بن کر، نرک بھوگ کر پھر بھی انسان اونچا اُٹھ سکتا ہے۔ مایوسی کسی وقت نہیں آنی چاہیئے۔ بلکہ جب وقت بھی ہوش آجائے اسی وقت سے اپنی زندگی کو بہتر بنانے کے لئے لگ جانا چاہیئے۔ جو بھی قدم اس راہ پر رکھا جائیگا۔ وہ ضائع نہیں جائیگا۔ بلکہ وہی قدم منزلِ مقصود کے کچھ نزدیک لے جائیگا۔

۱۰۔ ایک اور سبق جو ہمیں ملتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ ایک انسان سالہا سال تک نرکوں میں دُکھ اُٹھا کر بھی تیرتھنکر کی پدوی پا سکتا ہے۔ اس لئے ہر ایک انسان کا حق ہے اور ہر ایک کو یہ کوشش کرنی چاہیئے کہ وہ او نیچے سے اونچا اُٹھے۔ کیا پتہ ہے کہ وُہ بھی اعلیٰ پدوی کو پائے اور اس کا نام امر ہو جائے۔

۱۱۔ ایک اور شکشا جو ہمیں ملتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ انسان کو اپنی بھاونا شکتی یا خیال کی طاقت یا WILL POWER کو بڑھانا چاہیئے۔ جتنی یہ زیادہ طاقتور ہوگی۔ اتنا ہی انسان پرشارتھی محنتی پراولپکاری اور نیک بنیگا۔ اور جتنی یہ کمزور ہوگی۔ اتنا ہی انسان سُست دوسروں کے ٹکڑوں پر پلنے والا اور ادلے انسان ہوگا۔

۱۲۔ ایک اور بھی سبق ہمیں ملتا ہے۔ بھگوان مہاویر سوامی نے چند جنموں کے سوائے باقی اپنے تمام جنم پرلوک ناتر کی سیوا میں لگانے کی کوشش کی۔ جنگل میں بہتیرے پھول اُگتے ہیں اور وہیں گر کر خاک ہو جاتے ہیں۔ لیکن مبارک ہیں وہ پھول جو گلدستے یا ہار میں لگ کر خوشبو پھیلاتے ہیں اور اپنا جنم سپھل کر جاتے ہیں۔ مہاویر سوامی دوسری قسم کے پھولوں میں سے تھے۔

ملا ہر ذی روح

بھگوان مہاویر سوامی سے پہلے دُنیا کی حالت

فائر برگیڈ کی ضرورت اسی وقت پڑتی ہے کہ جب آگ لگی ہوئی ہو۔ سایہ کی ضرورت اسی وقت ہوتی ہے جب دھوپ کڑاکے کی پڑ رہی ہو۔ اسی طرح اوتاروں اور تیرتھنکروں کی ضرورت بھی اس وقت ہوتی ہے جب سنسار میں ادھرم حد سے زیادہ بڑھ جائے۔ پاپ کا غلبہ ہو جائے۔ گناہ کے سیاہ بادل سب طرف چھا جائیں اب ہم نے یہ دیکھنا ہے کہ مہاویر سوامی کے اس سنسار میں جنم لینے سے پیشتر کیا حالت تھی۔ ہمارا اتہاس[1] بتاتا ہے کہ اس وقت دھرم کے نام پر ناجائز کاروائیاں ہو رہی تھیں۔ دھرم کے نام پر دکانداری ہنیں ہنیں لوٹ مچی ہوئی تھی۔ بھولے بھالے لوگوں کو دھرم کے نام پر پھنسایا جاتا تھا۔ اور بھیڑوں کی طرح اُنکی اُون اتاری جاتی تھی برہمن کے گھر میں پیدا ہونے والا انسان خواہ کیسا ہی بکرمی[2] اور دشٹاچاری[3] ہو پوجیہ سمجھا جاتا تھا۔ اس کی بدعنوانیوں پر کسی کو چوں کرنے کی گنجائش نہ تھی۔ ایک خاص جماعت کو اچھوت کہہ کر اس سے نفرت کی جاتی تھی۔ جانوروں کی قربانی یگیوں میں کی جاتی تھی۔ دیوی اور دیوتاؤں کے ستھانوں پر سینکڑوں جانوروں کو تہ تیغ کیا جاتا اور ان کی قربانی دی جاتی تھی۔ کہا یہ جاتا تھا کہ اس سے سورگ کی پراپتی ہوگی۔ پرلوک سدھر گیا رکئی کئی جگہ تو انسانوں کا بھی بلیدان کیا جاتا تھا۔ اسکی غرض بھی دیوتا یا پرماتما کو خوش کرنا ہوتا تھا۔ دنیاوی عیش و عشرت کو ہی زندگی کا معیار سمجھا جاتا تھا۔ تیاگ اور ویراگ کے لفظ محض شاستروں کے اندر ملتے تھے۔ بھگوے رنگ کے بستر پہننے والوں نے بھی مٹھ بنائے ہوئے تھے۔ ان کے دروازوں پر ہاتھی جھومتے تھے۔ شراب و کباب کی محفلیں لگتی تھیں چیلیوں سے ان کے فلو تخانے بھرے رہتے تھے۔ شدھاچار[4]، سادگی۔ راستگوئی اور نفس کشی کے اوصاف کافور ہو چکے تھے۔

[1] تاریخ [2] بدکار [3] بدچلن [4] نیک چلنی

روحانیت اور آتمک ودیا کو لوگ بالکل بھلا بیٹھے تھے۔ سماج کا سارا شیرازہ اکھڑ چکا تھا۔ بدکاری بھی دھرم کے نام پر کی جاتی تھی۔ دھوکہ دہی، بددیانتی اور نمائش ہر جگہ دیکھنے میں آتی تھی۔ جہالت بہت زیادہ بڑھ گئی تھی اور اس جہالت کے اندھیرے میں خود غرض اور پاپی لوگ لطف اٹھاتے تھے اور من مانی کارروائیاں کرتے تھے۔ پھر طرفہ یہ کہ وہی چوہدری اور سردار بن کر بیٹھے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں کی تکالیف اور مصائب بہت بڑھ گئیں۔ بھارت ماتا اور اس کے بھولے بچے اس دکھ سے کراہنے لگے۔ جگہ جگہ سے الامان الامان ترا ہ مان ترا ہ مان کی آوازیں آنے لگے۔ پیار سے بھارت کے رہنے والوں کی جان لبوں پر آئی ہوئی تھی۔ وہ نہ زندوں میں تھے نہ مردوں میں۔ لیکن ان کی یہ دکھ بھری پکار سننے والا بھی کوئی نہ تھا۔ کیونکہ جنہوں نے درد و فریاد سننی تھی وہی دشمن بنے ہوئے تھے۔ جب باڑی ہی کھیت کو کھانے لگے۔ تو حفاظت کون کرے۔ اس وقت روحانیت عنقا ہو چکی تھی۔ دھرم کا نور سو چکا تھا۔ دیا اور محبت پر لگا کر اڑ گئی تھی۔ تیاگ اور ویراگ کے بھاؤ غائب ہو چکے تھے۔ دھرم کی جگہ دھن نے لے لی تھی۔ لکشمی کی پوجا ہوتی تھی۔

اس وقت دکھ میں جلتے ہوئے اور ظلم سے ستائے ہوئے جیووں کے لئے ضرورت تھی سچی ہمدردی کی۔ لاغرض محبت کی اور حقیقی دیا بھاؤ کی۔ اس وقت جبکہ بددیانتی، بدخصلتی، ظلم و تعدی اور بد اعتقادی کی آگ ہر طرف بھڑک رہی تھی اور اپنے تند شعلوں سے بنی نوع انسان کو جھلس رہی تھی۔ اور جب خود غرضی کا دور دورہ تھا۔ بدامنی اور بے چینی زوروں پر تھی۔ تب اس بات کی سخت ضرورت تھی۔ کہ کوئی ایسا آتما پرتھوی پر آئے جو کہ اس گڑبڑ کو دور کرے اور ہر جگہ امن و شانتی کو قائم کرے۔ انسانوں کی رگوں میں سچائی کا انجکشن کرے اور بھولے ہوئے لوگوں کو خود شناسی کی سیدھی راہ پر ڈال لے۔

سرشٹی کا یہ ایک نیم ہے۔ کہ اس دنیا کی کوئی چیز ایک حالت پر نہیں

رہتی ۔جہاں ایک وقت بڑے بڑے شہر بسے ہوئے تھے وہاں آج ہُو کا عالم ہے اُلّو بولتے ہیں جو مقام کسی وقت جنگل بیابان تھے وہ آج چمنستان بنے ہوئے ہیں جو لوگ ایک وقت شاہِ زمان ہوتے ہیں ۔وہی دردر کے بھکاری بنتے دیکھے جاتے ہیں اور جن کو ایک وقت کی روٹی بھی نصیب نہیں ہوتی ۔ان کے سر پر جھنڈے جھولنے لگتے ہیں ۔جہاں ایک وقت دریا بہتے تھے ۔وہاں کھیت لہلہاتے ہیں اور جہاں کسی وقت سبزہ زار تھا ۔وہاں سمندر ٹھاٹھیں مارتا ہے۔ اسی طرح قدرت کی دوسری چیزیں ہیں ۔کبھی رات ہوتی ہے کبھی دن ۔کبھی سردی ہوتی ہے کبھی گرمی ۔چاند کبھی ایک لکیر سا ہوتا ہے ۔کبھی ایک چمکتا ہوا گولہ ۔غرضیکہ یہ تغیر و تبدل زمانہ کی ایک خاصیت ہے یہ گوناگونی اس عالم کی فطرت ہے ۔

اِسی طرح سے دُکھ اور سُکھ کی حالت ہے ۔وہ بھی باری باری سے بدلتے رہتے ہیں ۔زمانہ کا چکر ان میں بھی تبدیلی پیدا کرتا رہتا ہے ۔جو آج دُکھی ہیں وہ کل سکھی ہونگے ۔اور جو آج سکھی ہیں ۔ان پر دکھ کا حملہ ہونے والا ہے بھگوان مہاویر کے آنے سے پیشتر دکھ کا اتنا بڑھ جانا اور ظلم و سختی کی فراوانی اس بات کی شاہد تھی ۔کہ اب دور بدلنے والا ہے ۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا ۔بھلے دن آئے اور ایک پوتر آتما کا اس زمین پر ورود ہوا ۔ اور متبرک ہستی بھگوان مہاویر کی تھی جس نے اس دُکھی دُنیا کو آکر شانت بنایا ۔لوگوں کے پاپ بھاؤ کو مٹا کر دھرم مارگ پر چلایا ۔پرانیوں کی بد خصلتوں کو بدل کر نیکی کی راہ پر لگایا ۔

بھگوان مہاویر کا آخری جنم

چھبیس جنم جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے ہونے کے بعد بھگوان مہاویر سوامی کی آتما مہا کنڈ گرام میں ایک برہمن رشبھ دتہ نامی کے گھر اس کی پتنی دیوا نند کے گربھ میں آئی لیکن جین شاستر بتلاتا ہے کہ اس برہمنی دیوا نند نے اپنے پچھلے کسی جنم میں اپنی دیورانی کے زیورات کا ڈبہ چرا کر واپس نہ کیا۔ اس کی سزا اس کو ملنی تھی جس طرح اس نے جواہرات چرائے تھے اب اس کا یہ بیش بہا لعل جو کہ اس کے گربھ میں تھا۔ اس سے چرایا جاتا ہے۔ قدرت کا منشا ہے کہ یہ پوتر لعل کسی کشتری راجہ کے گھر پیدا ہو۔ روائت کہتی ہے۔ کہ ایک دیوتا نے اس کا گربھ نکال کر ماتا ترشلا کے گربھ میں جا رکھا۔ اور ماتا ترشلا کے گربھ کی لڑکی کی آتما دیوا نند کے گربھ میں رکھ دی۔ اس طرح سے دیوا نند کو اپنے کئے کی سزا ملگئی

بعض لوگ اس واقعہ کو تضحیک سمجھیں گے۔ لیکن ان کو یہ خیال رکھنا چاہئے کہ چند سال پہلے وہ بمان کی بابت پڑھ کر اور سُنکر سنا کرتے تھے کہ ہوا میں اُڑنے والا شیر ملک کیسے ہو سکتا ہے؟ یہ ایک فرضی بات ہے۔ لیکن آج ایک دو نہیں کروڑوں کی تعداد میں ایسے نیتر اُڑ رہے ہیں۔ ان کا وزن ہزاروں من ہے۔ انکی رفتار چار ہزار میل فی گھنٹہ تک ہے اور لاکھوں کوس تک اُڑے چلے جاتے ہیں۔ دوسری طرف طبی سائنس نے جو ترقی کی ہے وہ بھی غور کرنے کے قابل ہے۔ ڈاکٹر لوگ ایک آدمی کا خون دوسرے میں ڈال دیتے ہیں۔ ایک کے پھیپھڑا نکال کر دوسرے لگا دیتے ہیں۔ حتےٰ کہ عورتوں کی بچہ دانیاں نکال کر انہیں ٹھیک کر کے پھر وہیں رکھ دی جاتی ہیں اگر یہ معمولی دماغ کی طاقت رکھنے والے انسان ایسا کر سکتے ہیں۔ تو روحانیت کی لاانتہا طاقت رکھنے والوں کے لئے یہ بات کیوں ممکن نہیں۔ بہرحال جین شاستروں نے ایسا لکھا ہے ماتا ترشلا جی کے گربھ میں مہاویر سوامی کی آتما پہنچائی گئی۔ ایک کشتریہ پریوار

سدھارتھ نامی کی دھرم تپنی تھی۔ ایک گاؤں کشتریہ کنڈ میں وہ رہتے تھے۔ اگرچہ سدھارتھ جی کا علاقہ سرداری بہت وسیع نہ تھا تاہم تعلیم تمدن اور خوشحالی کے لحاظ سے کئی بڑی بڑی سلطنتوں پر فوقیت رکھتا تھا۔ کشتری کنڈ اس جگہ تھا۔ جہاں پر آج کل صوبہ بہار کے ضلع گیا میں لکھاوڑ نامی گاؤں ہے۔

بعض جین شاستروں میں سدھارتھ جی کو راجہ بیان کیا ہے۔ اور بعض میں ایک کشتری سردار۔ بطور راجہ کے ماتا ترشلا کو اس کی مہارانی لکھا ہے اور بطور سردار کے کشترانی لکھا ہے۔ بہرحال یہ تو ظاہر ہے کہ سدھارتھ جی ایک باسوخ اور باعزت راجہ یا سردار تھے۔ اور اپنے ہم عصر راجاؤں کی نسبت ان کی زیادہ تکریم اور منزلت تھی، یا دیگر رئیسوں میں وہ ممتاز شمار کئے جاتے تھے۔

ماتا ترشلا ویشالی کے حکمران کی بیٹی تھی۔ شاید اس وجہ سے کہ سدھارتھ جی ایک بڑے راجہ کے داماد تھے۔ ان کو بھی راجہ ہی کے لقب سے یاد کیا گیا ہے۔ راجہ چیتک جین دھرم کا پیرو تھا۔ ماتا ترشلا کی ایک بہن بھی تھی جس کا نام چیلنا تھا اور اس کی شادی راجہ بمب سار (شرنیک) سے ہوئی تھی۔ اس راجہ کا نام بھی جین اور بودھ شاستروں میں آتا ہے۔ ماتا ترشلا کی ماتا کا نام سبھدرا تھا۔ یہ دونو راجہ چیتک کی لڑکیاں تھیں۔ راجہ بمب سار پہلے بودھ دھرم کا پیرو تھا۔ لیکن بعد میں جین دھرم میں پرویش کر کے اس کی خاص خدمت اور تبلیغ کی۔ اور اسی وجہ سے بڑا نام پایا۔ اور شہرت حاصل کی۔

راجہ سدھارتھ و ماتا ترشلا کے تین بچے تھے۔ دو لڑکے اور ایک لڑکی ایک تو ہمارے بھگوان مہاویر سوامی تھے۔ دوسرے نندی وردھن اور لڑکی کا نام سدرشنا تھا۔

جب بھگوان مہاویر ماتا ترشلا کے گربھ میں تھے۔ تو انہوں نے اپنے خواب میں چودہ چیزیں دیکھی تھیں۔

(۱) سفید ہاتھی (۲) سانڈ بیل (۳) شیر (۴) لکشمی (۵) خوشبودار کھلے ہوئے

پھولوں کا ہار (۶) چاند (۷) سورج (۸) جھنڈا (۹) کلش (۱۰) کنول پھولوں سے بھری ہوئی جھیل (۱۱) کشیر ساگر (۱۲) دیو بمان (۱۳) جواہرات کا ڈھیر۔ (۱۴) بغیر دھوئیں کی آگ کے شعلے ۔

غور کرنے پر اس نے نتیجہ نکالا۔ کہ اس کے پیٹ سے جو بچہ پیدا ہوگا وہ دنیا میں خود بھی چمکیگا۔ اور اپنے والدین کا نام بھی روشن کرے گا۔ اور دنیا سے ظلم و تشدد کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر امن قائم کریگا۔ پھر ماتا ترشلا نے دوسرے کمرہ میں راجہ سدھارتھ اپنے پتی دیو کو جگا کر اپنا خواب سنایا تو انہوں نے بھی یہی نتیجہ نکالا کہ یہ ایک نہایت مبارک خواب ہے اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہمارے اور ہماری رعایا کے بھلے دن آنے والے ہیں اور کہ جو بچہ اب پیدا ہوگا وہ امن و سکون کا پیغام بر ہوگا۔ ماتا ترشلا کا دل خوشی سے بھرپور ہوگیا اور پھر بجائے سونے کے وہ دھرم دھیان میں بیٹھ گئی۔ کیونکہ لکھا ہے کہ اگر نیک خواب آنے کے بعد انسان سو جائے اور پھر اس کو کوئی منحوس خواب آئے تو اس نیک خواب کا اثر زائل ہوجاتا ہے۔

ایک بات قابل غور اس میں پائی جائیگی۔ کہ اس وقت پتی پتنی علیحدہ علیحدہ کمروں میں سوتے تھے۔ اور اسی لئے اپنے برہم چریہ کو قائم رکھ کر اتم سنتان پیدا کرتے تھے۔ آج کل کی طرح نہیں کہ پلنگ ہی ایک بچھایا جاتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کی اپنی صحت بھی خراب ہوتی ہے اور بچے بھی کمزور۔ ڈرپوک اور دائم المریض پیدا ہوتے ہیں۔ اس لئے اگر گھر میں جگہ کافی ہو تو پتی پتنی کو علیحدہ علیحدہ کمروں میں سونا چاہیئے۔

جس دن سے ماتا ترشلا نے خواب دیکھا تھا۔ اس دن سے راجہ سدھارتھ کے خزانہ میں ترقی ہونی شروع ہوئی اور اسکی سلطنت میں خوشحالی بڑھنے لگی۔ ویران علاقے آباد ہوگئے۔ راجہ کی شان و شوکت میں نمایاں اضافہ ہوگیا۔ ہر طرف ترقی اور افزونی کے آثار دیکھ کر راجہ جی اور ماتا ترشلا نے فیصلہ کیا

کہ چونکہ یہ سب بہبودی اور ترقی پیٹ میں آنے والے بچے کی وجہ سے ہوئی ہے اسلئے اگر وہ لڑکا ہوا تو ہم اس کا نام وردھمان رکھیں گے۔ وردھمان کے لفظی معنی ہیں وردھی یا ترقی کرانے والا۔

ان حالات کو دیکھ کر ماتا ترشالا کے من کی اُمنگیں اور بھی اُمڈنے لگیں۔ اور اس نے اپنے گربھ کی زیادہ احتیاط سے حفاظت کرنی شروع کر دی۔ وہ اپنے کھانے پینے میں بڑی محتاط ہو گئی۔ اور اپنے بھاؤوں یا خیالات کے متعلق بھی زیادہ خبردار رہنے لگی۔ کھانے پینے کے متعلق تو اس نے یہ نیم بنایا کہ سادہ پوتر تازہ اور سادہ کھاتی تھی۔ ایک وقت میں زیادہ پیٹ بھر کر نہ کھاتی تھی۔ ثقیل، ترش، کڑوی، باسی اور بدذائقہ چیزوں کے نزدیک تک نہ جاتی تھی۔ گرمی، جوش یا نشہ پیدا کرنے والی چیزیں وہ بطور دوائی کے بھی نہ پیتی تھی۔ پہننے کے کپڑوں کے متعلق بھی خاص دھیان رکھتی تھی۔ تنگ کپڑا کبھی نہ پہنتی تھی۔ کیونکہ اسے علم تھا کہ پیٹ اور چھاتیوں پر زیادہ تنگ کپڑا پہننے سے بچہ کی بالیدگی ٹھیک طور سے نہیں ہوتی۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے۔ کہ بہت تنگ کپڑا پہننے سے یہ اپنی جگہ سے کھسک جائے۔ جس کے باعث بچہ تو ایک طرف رہا۔ اس کی اپنی جان کا بھی خطرہ میں پڑ جانے کا امکان ہے۔

اپنے وچاروں کے متعلق وہ سدا احتیاط رکھتی تھی کہ کوئی برا بھاؤ من میں نہ پھٹکنے پاوے۔ کوئی بری سنگت اختیار نہ کرتی تھی۔ نہ ہی زیادہ بولتی تھی۔ کیونکہ بہت باتیں کرنے میں انسان جھوٹ بول جاتا ہے۔ نندا چغلی کر بیٹھتا ہے۔ بالکل خاموش بھی نہ رہتی۔ بر موقعہ محل نہایت شیریں زبانی سے کلام کرتی تھی۔ دھیان اور چنتن میں زیادہ وقت گذارتی تھی۔ غصہ سے کوسوں پرے رہتی تھی۔ من کی شانتی اور پوترتا کا ہمیشہ دھیان رہتا تھا۔ برہمچریہ کا ورت بھی لیا ہوا تھا۔

اپنی صحت کے متعلق اور بھی ہر ایک قسم کا دھیان رکھتی تھی۔ کسی اونچی نیچی جگہ پاؤں نہ رکھتی۔ دوڑ کر کہیں نہ جاتی تھی نہ ہی کودتی پھاندتی تھی۔